حصول لقاء کے ذرائع

عجز اختیار کریں کیونکہ متکبر کے لئے لقاء کا حصول ناممکن ہے

(خطبہ جمعہ فرمودہ ۶ / اپریل ۱۹۹۰ء بمقام بیت الفضل لندن)

تشہد وتعوذ اور سورۂ فاتحہ کی تلاوت کے بعد حضور نے فرمایا:

علامہ اقبال نے ایک دفعہ اپنی ایک نظم میں خدا تعالیٰ کو مخاطب کرتے ہوئے یہ عرض کیا

؎ کبھی اے حقیقتِ منتظر نظر آ لباس مجاز میں
کہ ہزاروں سجدے تڑپ رہے ہیں مری جبین نیاز میں (کلیات اقبال صفحہ: ۲۸۰)

یہ وہی لقاء کا مضمون ہے جو پچھلے دو خطبوں میں میں بیان کرتا آ رہا ہوں لیکن ایک ایسی آنکھ نے لقاء کے مضمون کو دیکھنے کی کوشش کی جو عرفان سے عاری تھی۔ چنانچہ اسی مضمون کو حضرت نواب مبارکہ بیگم صاحبہؓ نے ایک جوابی نظم میں بیان فرمایا تھا۔

علامہ اقبال نے تو یہ کہا تھا کہ

؎ کبھی اے حقیقتِ منتظر نظر آلباس مجاز میں

کیوں نظر نہیں آتی؟ کہ ہزاروں سجدے تڑپ رہے ہیں۔ اتنے سجدے میں نے تیرے حضور تیری لقاء کی خاطر کئے کہ گویا وہ سجدے آج بھی میری اس جبین نیاز میں تڑپ رہے ہیں جو میں زمین سے تیرے حضور رگڑ تا رہا ہوں۔ حضرت نواب مبارکہ بیگم صاحبہ نے جواباً جو نظم لکھی، میں اس کے چند شعر آپ کے سامنے رکھتا ہوں۔ انہوں نے لکھا:

؎ مجھے دیکھتا جو نہیں ہے تو یہ تری نظر کا قصور ہے
مجھے دیکھ طالبِ منتظر مجھے دیکھ شکل مجاز میں
کہ ہزاروں سجدے تڑپ رہے ہیں تیری جبین نیاز میں
مجھے دیکھ رفعت کوہ میں مجھے دیکھ پستیٔ کاہ میں
مجھے دیکھ عجز فقیر میں مجھے دیکھ شوکتِ شاہ میں
نہ دکھائی دوں تو یہ فکر کر کہیں فرق ہو نہ نگاہ میں
مجھے دیکھ طالبِ منتظر مجھے دیکھ شکل مجاز میں
کہ ہزاروں سجدے تڑپ رہے ہیں تیری جبینِ نیاز میں
مجھے ڈھونڈ دل کی تڑپ میں تو مجھ دیکھ روئے نگار میں
کبھی بلبلوں کی صدا میں سن کبھی دیکھ گل کے نکھار میں
میری ایک شان خزاں میں ہے میری ایک شان بہار میں
مجھے دیکھ طالبِ منتظر مجھے دیکھ شکل مجاز میں
کہ ہزاروں سجدے تڑپ رہے ہیں تیری جبینِ نیاز میں
میرا نور شکل ہلال میں مرا حسن بدر کمال میں
کبھی دیکھ طرز جمال میں کبھی دیکھ شانِ جلال میں
رگِ جاں سے ہوں میں قریب تر ترا دل ہے کس کے خیال میں
مجھے دیکھ طالبِ منتظر مجھے دیکھ شکل مجاز میں
کہ ہزاروں سجدے تڑپ رہے ہیں تیری جبینِ نیاز میں درعدن صفحہ:۱۷

یہ نظارہ جو آپ نے حضرت نواب مبارکہ بیگم صاحبہؓ کے کلام میں دیکھا ہے۔ یہ عارفانہ ہونے کے باوجود لقاء کا وہ نظارہ ہے جو ابھی سطح سے تعلق رکھتا ہے، آفاقی نظر ہے۔ اس میں گہرائی بھی ہے، ہر سطح سے گویا وہ شیشے کی سطح ہے۔ نظر لوٹ کر واپس آنے کی بجائے خدا کی جانب اٹھتی ہے۔ جیسے بعض دفعہ زاویوں سے شیشے کو دیکھا جائے تو اپنا وجود دکھائی دینے کی بجائے دوسرا مقابل پر اس زاویے پر کھڑا ہوا ایک اور وجود دکھائی دیتا ہے۔ لیکن خدا کو دیکھنے کی ایک اور نظر ہے جو خدا کی ذات

کے اندرونی مشاہدے سے تعلق رکھتی ہے۔اس میں بھی ایک ظاہری نظر ہے یعنی ظاہری تو نہیں کہنا چاہئے، وہ عرفان کی نظر ہی ہوا کرتی ہے لیکن نسبتاً سطح سے تعلق رکھنے والی ہے۔جیسا کہ میں نے گزشتہ خطبے میں بیان کیا تھا۔سائنس دانوں نے جو کائنات کا مطالعہ کیا ہے۔اگر سائنس دان کی نظر سے آفاقی مطالعہ کیا جائے یا اندرون کا، اپنی ذات کا مطالعہ کیا جائے تو ہر مطالعہ خدا تعالیٰ کی طرف لے کر جائے گا اور انسان یوں لگتا ہے جیسے ایک آئینہ خانے میں چلا گیا ہے۔آئینہ خانے میں تو ایسا نظارہ ہوتا ہے کہ انسان جدھر دیکھے ادھر اپنے آپ کو خود ہی دکھائی دیتا ہے۔یعنی اپنی صورت ہی دکھائی دیتی ہے مگر عرفان کا یہ آئینہ خانہ وہ ہے جس میں ہر طرف خدا دکھائی دینے لگتا ہے لیکن یہ بھی نظارہ جیسا کہ میں نے بیان کیا ہے ابھی نسبتاً سطحی ہے۔

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے یہ مضمون ہمارے سامنے رکھا۔وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا ؕ (العنکبوت:۷۰) وہ لوگ جو میری خاطر جہد کرتے ہیں، کوشش کرتے ہیں۔ جو میری ذات کی تلاش میں رہتے ہیں۔ لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا ؕ ہم ہیں جو اپنی راہیں ان کو دکھاتے ہیں۔ پس محض جہد سے جو نظارے دکھائی دیتے ہیں اسے لقاء نہیں کہا جاسکتا۔**لقاء کے لئے اپنے محبوب کا خود جھک کر ہاتھ پکڑنا ضروری ہے ورنہ دور کے نظارے تو بعض دفعہ دل کی پیاس بجھانے کی بجائے اور بھڑکا جایا کرتے ہیں۔** پس لقاء سے مراد نظارہ نہیں ہے۔لقاء سے مراد تعلق ہے۔ پیار اور محبت کا تعلق جو پہلی لقاء جو نظارے کی لقاء ہے اس کے بعد حاصل ہوا کرتا ہے اور اس پہلو سے خدا تعالیٰ کا نظارہ اپنے وجود میں انسان دیکھ بھی سکتا ہے اور نہیں بھی دیکھ سکتا۔ یہ اور طرح کا نظارہ ہے جس کو میں مختصر کرنے کی کوشش کروں گا مگر نسبتاً تفصیل سے بیان بھی کروں گا۔

جہاں خدا تعالیٰ نے یہ فرمایا کہ مجھ تک پہنچنے کی بہت سی راہیں ہیں اور پھر میں مدد کرتا ہوں تم اپنی کوشش سے ان راہوں کے ذریعے مجھ تک نہیں پہنچ سکتے۔ وہاں اپنے ملنے کی ایک راہ بھی بیان فرمائی اور اس کا نام صراط مستقیم رکھا۔ چنانچہ جہاں فرمایا۔ لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا ؕ ہم اپنی راہوں کی طرف ان کو ہدایت دیتے ہیں۔ وہاں یہ دعا سکھلا دی اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ کے اے خدا! ہمیں صراط مستقیم کی راہ دکھا۔صراط مستقیم کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اِنَّ رَبِّيْ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ (ہود:۵۷) کہ اے نبی! اعلان کر دے کہ میرا رب صراط

مستقیم پر ہے۔ پس اس مضمون کو سمجھنے کے بعد اِهْدِنَا کی دعا کا مفہوم زیادہ وضاحت کے ساتھ سمجھنے کی انسان میں اہلیت پیدا ہو جاتی ہے۔ بہت سے مفسرین نے اس بات پر بحث چھیڑی ہے کہ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ میں جو یہ فرمایا گیا کہ ہمیں صراط مستقیم کی ہدایت دے۔ جب صراط مستقیم حاصل ہوگئی تو پھر یہ دعا مانگتے رہنے کا کیا مطلب ہے اور اس کے بہت سے معانی بیان فرمائے گئے ہیں جو درست ہیں اور مختلف زاویوں سے درست ہیں لیکن حقیقی معنی یہ ہے کہ صراط مستقیم خدا کی ذات کا وجود ہے اور خدا کی ذات جس راہ پر کھڑی ہے وہ لامتناہی راہ ہے اور خدا کی ذات میں سفر لامتناہی ہے۔ پس اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ کا معنی یہ ہوگا کہ اے خدا! جس راہ کے متعلق تو نے فرمایا ہے کہ اے نبی! اعلان کر کہ اِنَّ رَبِّیْ عَلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ میرا رب صراط مستقیم پر کھڑا ہے۔ اس راہ کی ہدایت اس طرح دے کہ ہم ہمیشہ اسی راہ پہ چلتے رہیں اور اسی راہ پر ہمیشہ تیرے وجود کے اندر آگے بڑھتے رہیں اور تیری ذات سے زیادہ متعارف ہوتے چلے جائیں۔ یہ درحقیقت وہ لقاء ہے جو خدا کی مدد سے ملتی ہے اور ملنے کے بعد پھر جاری رہتی ہے اور یہ مضمون پھر کبھی ختم نہیں ہوتا۔ جیسا کہ میں نے بیان کیا ہے خدا کے ملنے کی بہت سی راہیں ہیں لیکن ان راہوں کی تفاصیل بیان کرنے کا یہاں وقت نہیں۔ ان میں سے آج کے مضمون کے لئے میں نے ایک راہ اختیار کی ہے اور وہ عجز کی راہ ہے۔ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس مضمون پر اپنے منظوم کلام میں بھی بہت پیارے رنگ میں روشنی ڈالی ہے اور اپنے نثر کے کلام میں بھی بہت ہی پیارے رنگ میں روشنی ڈالی ہے۔ فرماتے ہیں۔

بدتر بنو ہر ایک سے اپنے خیال میں
شاید اسی سے دخل ہو دارالوصال میں
چھوڑو غرور و کبر کہ تقویٰ اسی میں ہے
ہو جاؤ خاک مرضیٔ مولا اسی میں ہے

پھر فرماتے ہیں۔

جو خاک میں ملے اسے ملتا ہے آشنا
اے آزمانے والے ! یہ نسخہ بھی آزما (درثمین:۱۱۳)

پس سب سے زیادہ قریب راہ اور آسان بھی اور مشکل بھی عجز کی راہ ہے۔ اپنے آپ کو گرا دینا آسان ہے اس لئے میں نے اسے آسان راہ کہا لیکن جب تکبر کے ڈنڈے کے سہارے انسان کا پھولا ہوا خیمہ کھڑا ہوا ہو جب تک وہ ڈنڈے نہ توڑے جائیں اس خیمے کا گرنا آسان نہیں ہوا کرتا اس لئے ایک پہلو سے یہ راہ آسان ہے اور ایک پہلو سے مشکل ہے لیکن جہاں تک خدا کی لقاء کا تعلق ہے ، اس میں قطعاً کوئی شک نہیں کہ عجز کے بغیر خدا تعالیٰ کی لقاء ممکن نہیں ہے اور عجز انسان کو مختلف پہلوؤں سے نصیب ہوتا ہے اور اس مضمون پر بھی آپ اگر غور کریں تو آپ حیران ہوں گے کہ بڑے بڑے عاجز بندے بھی جو حقیقۃً عجز کی کئی منازل طے کر چکے ہوتے ہیں ، بہت سے پہلوؤں سے عجز سے عاری ہوا کرتے ہیں۔

اس لئے اس مضمون کو بڑا گہرائی سے سمجھنا چاہئے عجز کیا ہے اور کیسے نصیب ہوتا ہے؟ اور اس کے برعکس تکبر کیا ہے؟ اور تکبر سے بچنے کے کیا طریق ہیں؟ ان کو اگر آپ خوب اچھی طرح سمجھ لیں تو آپ کے لئے خدا تک پہنچنے کی ایک راہ آسان تر ہو جائے گی اور جیسا کہ میں نے بیان کیا ہے، آسان ہونے کے باوجود پھر بھی جب تک خدا تعالیٰ کی طرف سے اذن نہیں ہوگا اس وقت تک آپ اس راہ میں آگے نہیں بڑھ سکیں گے اور یہ بھی عجز سے ہی حاصل ہوتا ہے۔ وہ دعا مقبول ہوتی ہے جو عجز کے آخری مقام پر ہو اور اس دعا کا مقبول ہونا ایک ایسی حقیقت بن جاتا ہے جو سورج سے زیادہ بڑھ کر روشن ہوتی ہے۔ پس سجدے کی دعاؤں کے متعلق جو آپ سنتے ہیں کہ سجدے میں دعائیں مانگی جائیں تو وہ زیادہ مقبول ہوتی ہیں۔ اس سے مراد صرف یہ نہیں کہ سجدے کی حالت میں جو جسم کی حالت ہوتی ہے جو دعا مانگی جائے وہ مقبول ہوتی ہے۔ بعض دفعہ کھڑے کھڑے روحیں سجدہ ریز ہو جایا کرتی ہیں بعض دفعہ کھڑے کھڑے انسانی فکر ایسی عاجزی اختیار کرتا ہے کہ اس کا کچھ بھی باقی نہیں رہتا۔ وہ خدا کے حضور کلیۃً مٹ جاتا ہے۔ وہ سجدہ ہے جس سجدے کی دعائیں مقبول ہوا کرتی ہیں **کیونکہ وہ سجدہ حقیقی عجز سے تعلق رکھتا ہے۔**

انسان میں جو عجز ہے وہ اس کے اندرونی رجحان سے تعلق رکھتا ہے اور محض اپنے آپ کو واقعۃً کمزور سمجھنا کسی بڑی طاقت کے مقابل پر یہ عجز نہیں ہے۔ پہاڑ کے دامن میں کوئی بڑے سے بڑا انسان بھی چلا جائے کیسا ہی متکبر کیوں نہ ہو۔ اگر ایک عظیم پہاڑ کے دامن میں کھڑا ہوگا تو اس کو ایک

عجز کا احساس ہوگا۔ وہ یہ سمجھے گا کہ یہ جو بلندیاں اور یہ حجم اور یہ وزن اور یہ طاقت ایسی غالب ہیں کہ اس کے مقابل پر اس کی کوئی حیثیت نہیں لیکن یہ حقیقی عجز نہیں کیونکہ ہوسکتا ہے کہ ایک انسان وہاں عجز کا احساس کرتے ہوئے جب پہاڑ کی چوٹی پر چڑھتا ہے۔ پہاڑ کی چوٹی پر بیٹھ کر وہ سارے عالم کا نظارہ کرتا ہے تو اس کا دل تکبر سے بھر جاتا ہے وہ سمجھتا ہے دیکھو! میں کتنا بلند ہوں۔ ہر دوسری چیز میرے سامنے حقیر اور ادنیٰ اور چھوٹی دکھائی دیتی ہے لیکن ایک اور شخص جس کے دل میں عجز ہے جس کا رجحان عاجزانہ ہے، وہ پہاڑ کے نیچے بھی عاجز رہے گا اور پہاڑ کے اوپر بھی عاجز رہے گا دنیا کی کوئی کیفیت بھی اس کے عاجزانہ رجحان کو تبدیل نہیں کرسکتی۔ یہ وہ عجز ہے جو عارف باللہ کا عجز ہے جس کے بعد پھر لقاء نصیب ہوا کرتی ہے۔ انبیاء ہر شان میں عاجز ہوتے ہیں۔ نبوت سے پہلے کی شان میں بھی عاجز ہوتے ہیں اور نبوت کے بعد کی شان میں بھی عاجز ہوتے ہیں اور درحقیقت جتنا جتنا ان کو بلندی نصیب ہوتی ہے اتنا ان کا عجز بڑھتا ہے۔ **چنانچہ نبوت سے پہلے کے عجز کی کیفیت اور ہوا کرتی ہے اور نبوت کے بعد کے عجز کی کیفیت اور ہوتی ہے کیونکہ بلندی سے بلندی کا عرفان بڑھتا ہے۔** ایک شخص جو پہاڑ کے نیچے سے پہاڑ کی چوٹی کو دیکھ رہا ہے اگر اس کی نظر چوٹی پر جا کر ٹھہر گئی ہے تو اس کا عجز اسی نسبت سے ہوگا جس نسبت سے اس کو پہاڑ زیادہ سر بفلک دکھائی دے رہا ہے زیادہ بلند دکھائی دے رہا ہے لیکن ایک شخص جو پہاڑ کی چوٹی پر چڑھتا ہے اور مزید بلندیاں دیکھتا ہے اس کے دل کی کیفیت بالکل اور ہو جایا کرتی ہے۔ وہ سمجھتا ہے کہ میں تو اسی کو چوٹی سمجھ رہا تھا صرف میں ہی بے حقیقت نہیں۔ یہ پہاڑ بھی بے حقیقت ہے اس کی بھی کوئی حیثیت نہیں۔ جو رفعتیں مجھے ظاہری آنکھ سے دکھائی دیتی تھیں ان رفعتوں کی بھی کوئی حیثیت نہیں۔ میرے خدا کی کائنات تو بہت وسیع ہے۔ بلند سے بلند تر ہر منزل کے بعد ایک اور منزل۔ یہی مضمون ہے جس کو حضرت اقدس ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جب بیان فرمایا تو اس کا ذکر قرآن کریم میں پڑھ کر بہت سے مفسرین دھوکہ کھا گئے اور سمجھ نہیں سکے۔ وہ سمجھے کہ نعوذ باللہ یہ جھوٹ کی ایک قسم ہے یا شرک کی ایک قسم ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ستارہ دیکھا اور کہا اچھا دیکھو! کیسا روشن ہے شاید یہی ہمارا خدا ہو۔ مراد یہ نہیں تھی کہ میرا خدا ہے یا تمہارا خدا ہے مراد یہ تھی کہ تم لوگ اس طرح مرعوب ہوتے ہو، تم لوگ جو عرفان سے عاری ہو ہر بلند چمکنے والی چیز کو بڑا سمجھنے لگ جاتے ہو اور اس کے سامنے جھکتے ہو حالانکہ وہ ذات جو ماوراء ہے ان سے

پیچھے ہے وہ تمام روشنیوں کا منبع ہے، تمام روشنیاں اس سے پھوٹتی ہیں، ہر نور اس سے نکلتا ہے۔ تو نظر کو کہیں ٹھہرا دینا جو ہے یہ ایک قسم کا غلط عجز پیدا کرتا ہے جو شرک کی طرف لے جاتا ہے۔

پس اس مضمون کو بہت غور سے سمجھنا ضروری ہے۔ دنیا میں انسان جب بڑے بڑے بادشاہوں کو، جابر حاکموں کو دیکھتا ہے ان کے سامنے بھی تو ایک عجز محسوس کرتا ہے لیکن اگر اسے حقیقی عاجزی نصیب نہیں یا عجز کا عرفان حاصل نہیں تو اس کی نظر وہیں جھک جاتی ہے۔ عجز سے بجائے اس کے کہ توحید پیدا ہو شرک پیدا ہو جاتا ہے۔ پس حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے خداداد عرفان سے اس بات کو اس رنگ میں تمثیلاً بیان فرمایا کہ دیکھو! اوہو یہ تو ستارہ ڈوب گیا یہ تو میرا خدا نہیں ہوسکتا۔ ہاں چاند نکلا ہے دیکھو کیسا روشن، کیسا خوبصورت، زیادہ پرنور اور زیادہ وجیہہ اور دل کو لبھانے والا لیکن کچھ عرصے کے بعد وہ چاند بھی ڈوب جاتا ہے تو آپ کہتے ہیں کہ اوہو! ہماری نظر تو یہیں ٹھہری ہوئی لگ رہی تھی یوں لگتا تھا کہ یہی آخری منزل ہے لیکن اس کے بعد بھی ایک منزل ہے۔ دیکھو! سورج نکل آیا اور کتنا عظیم الشان سورج ہے۔ کس طرح اس نے کل عالم کو روشنی سے بھر دیا ہے شاید یہی ہمارا خدا ہو۔ لیکن جب وہ سورج ڈوبا تو آپ نے فرمایا نہیں نہ ستارہ خدا تھا نہ چاند خدا تھا نہ سورج خدا ہے، حقیقت یہ ہے کہ وہ ماوراء الوراء ہستی ہے جو ہمارا خدا ہے جس نے ان سب چیزوں کو نور بخشا ہے۔

پس عجز تو ضروری ہے لیکن عجز کا بھی اپنا ایک عرفان ہوا کرتا ہے اور صاحب عرفان کا عجز اور ہے اور بے عرفان انسان کا عجز اور ہے۔ بے عرفان کا عجز اسے بالکل ناکارہ اور بے ہمت کر دیا کرتا ہے ہر طاقت کے سامنے وہ سجدہ ریز ہو جاتا ہے۔ ہر بڑے کو دیکھتا ہے اور اس کے سامنے اپنے آپ کو بے حیثیت سمجھ کر اس کو سجدے کرنے لگتا ہے لیکن ایک صاحب عرفان کا عجز بلندیوں کے ساتھ اور جھکتا چلا جاتا ہے۔ نہ وہ تکبر کی طرف مائل ہوتا ہے نہ وہ شرک کی طرف مائل ہوتا ہے۔ پس حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس مثال کے ذریعے عجز کی ایک بہت ہی خوبصورت تفسیر ہمارے سامنے فرما دی اور ہمیں بتایا کہ عجز وہی ہے جو بالآخر خدا تک پہنچائے ورنہ تم اپنے آپ کو ایسا حقیر اور بے طاقت سمجھنے لگو گے کہ مخلوق کے سامنے جھک جاؤ گے۔

پس نبوت میں بھی عجز کا عرفان بڑھتا چلا جاتا ہے کیونکہ ایک بلندی کے بعد جب نبی کو

دوسری بلندی نصیب ہوتی ہے تو اس بلندی سے خدا کی بلندی کا ایک اور آسمان اس کے سامنے روشن ہو جاتا ہے ایک نئی بلندی اس کو دکھائی دینے لگتی ہے اور اس کے سامنے پھر وہ اپنے آپ کو دوبارہ عاجز محسوس کرتا ہے۔ وہ سمجھتا ہے کہ میں نے اپنے آپ کو عاجز سمجھا تو تھا لیکن جیسا کہ حق تھا ویسا عاجز نہیں سمجھا تھا۔ خدا تعالیٰ تو لامحدود ہے اور اس کی ذات کی عظمت کا تصور بھی ممکن نہیں ہے۔ ایک موقعہ پر حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی ذات ایسی غنی ہے اور ایسی لامتناہی دولتوں کا مالک وہ ہے کہ اگر تم اس سے اس کی ساری کائنات مانگو جو مانگ سکتے ہو مانگ لو اور وہ سب کچھ تمہیں دے دے تو اس کی دولت میں اتنی کمی بھی نہیں آئے گی جتنی ایک سمندر میں سوئی کا نوک ڈبوؤ اور اس کے ساتھ تھوڑا سا پانی لگا رہ جائے جب اس کو باہر نکالو۔ (مسلم کتاب البر والصلہ حدیث نمبر: ۴۶۷۴) اس پانی سے جو سوئی کی نوک کے ساتھ لگا رہ جاتا ہے اور وہاں قطرہ نہیں ٹھہر سکتا۔ مثال بہت خوبصورت دی ہے انگلی ڈبوؤ اور کوئی چیز ڈبوؤ، اس کے ساتھ زیادہ پانی لگتا ہے۔ لیکن جو باریک نوک ہو اس کے ساتھ پانی کا قطرہ نہیں رہ سکتا اس لئے بہت ہی معمولی پانی ہوگا۔ فرمایا اس سے جو کمی آتی ہے، خدا تعالیٰ کی کائنات میں اتنی بھی کمی نہیں آتی اگر وہ تمہیں سب کچھ بھی دے دے۔ وہ لامتناہی ہے۔

یہ بات صاحب عرفان کے بغیر کسی کو نصیب نہیں ہو سکتی اور جس کو یہ عرفان ہو اس کو اپنی دولت پہ گھمنڈ کیسے ہو سکتا ہے۔ ایک ملک کا بادشاہ بھی ہو جائے تو وہ زمین کے ایک ملک کا بادشاہ ہے اور اس کے باوجود اس کا اقتدار کامل نہیں ہے اس کو تو اپنے نفس، اپنے وجود پر بھی اقتدار حاصل نہیں۔ جب بیمار پڑتا ہے تو کس طرح بے حیثیت اور بے حقیقت ہو کے رہ جاتا ہے۔ اس کو اپنے جذبات پر بھی کامل اختیار نہیں ہوتا، نہ اپنے غصے پر، نہ اپنی خوشی پہ، نہ اپنی نیند پر نہ اپنے جاگنے پر، پس وہ ایک بڑے ملک کا بادشاہ بن کر کیسے متکبر ہو سکتا ہے اگر اس کی نظر خدا کی لامتناہی ملکیت پر ہو۔ پس عرفان الٰہی عجز کی راہ سے جو نصیب ہوتا ہے ویسا اور کوئی عرفان نہیں ہے اور اس کے نتیجے میں پھر خدا کی ذات دن بدن زیادہ ظاہر ہونے لگتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بعض دفعہ بعض صوفیاء نے غلطی کی اور عجز کو ظاہری رنگ دینے لگے اور آپ نے دیکھا ہوگا کہ وہ اپنے اوپر بعض اوقات مٹی ڈالتے تھے، اپنے کپڑے پھاڑ لیتے تھے گندے کر لیتے تھے اور ایسا رنگ اختیار کرتے تھے جیسے وہ دنیا میں سب سے زیادہ گندے اور غلیظ اور بے کار لوگ ہیں۔ یہ ایک اظہار تھا کہ **ہم کچھ بھی نہیں لیکن امر واقعہ یہ ہے کہ**

اللہ تعالیٰ تو جمال کو پسند کرتا ہے۔ وہ جو کچھ نہیں کی حالت ہے وہ بیرونی حالت نہیں ہے وہ ایک اندرونی کیفیت کا نام ہے اور بعض دفعہ بیرونی کیفیت اس اندرونی کیفیت سے بالکل متقابل ہوتی ہے۔ اس سے بالکل برعکس دکھائی دیتی ہے۔ چنانچہ حضرت عبدالقادر جیلانیؒ کے متعلق آتا ہے کہ وہ بڑے خوش پوش تھے۔ بہت ہی خوبصورت اور نہایت ہی قیمتی لباس پہنا کرتے تھے تو کسی نے ان سے پوچھا کہ یہ کیا بات ہے آپ تو بڑے بزرگ اور خدا کے خاص پیارے بندے ہیں۔ انہوں نے کہا! **میں نہیں پہنتا جب تک مجھے خدا نہ کہے۔** ان کے دل کی پسند تھی جو خدا کی خاطر چھوڑ دینے پر تیار بیٹھے تھے لیکن اللہ نے اس پر نظر فرمائی اور کہا نہیں پہنو! تو بعض دفعہ خدا اپنے بندے کے دل کی پسند پوری کرنے کے سامان خود فرماتا ہے اور اس کا عجز ان کپڑوں میں چھپ جاتا ہے۔

پس عجز کا ظاہری حالت سے تعلق نہیں ہے۔ بعض دفعہ عجز پھوٹ کر ظاہری حالت پر اثر انداز ضرور ہوتا ہے لیکن اس کو پہچاننے کے لئے بھی عرفان کی آنکھ چاہئے، جو اندر کا عجز ہے وہ ہے۔ ورنہ تو آپ کو بے شمار سادھو ایسے دکھائی دیں گے جو جسموں پر راکھ ملتے ہیں کئی دفعہ لوگ حیرت میں مبتلا ہوتے ہیں کہ یہ راکھ کا کیا قصہ ہے۔ یہ راکھ کیوں مل رہے ہیں؟ معلوم ہوتا ہے کسی زمانے میں کسی صاحب عرفان نے ان کو یہ بتایا ہوگا کہ مٹی میں مل جانے سے راکھ ہو جانے سے خدا ملتا ہے جنہوں نے مٹی کا محاورہ سنا انہوں نے مٹی ملنی شروع کر دی، جنہوں نے خدا کی راہ میں راکھ ہو جانے کا ذکر سنا۔ انہوں نے یہ نہ سوچا کہ خدا کی خاطر اپنے وجود کو جلا کر ختم کر دینا اور اپنے نفس کی راکھ بن جانا یہ مراد ہے خدا کی لقاء کے لئے یہ چیز ہے جو انسان کی مدد کرتی ہے تو انہوں نے راکھیں ملنی شروع کر دیں۔ پس عجز کے مقام تو بے شمار ہیں لیکن جب تک اندرونی طور پر آپ کو وہ آنکھ نصیب نہ ہو جو عجز کی شناسائی بخشتی ہے جس سے عجز پہچانا جاتا ہے۔ اس وقت تک صحیح معنوں میں آپ خدا کی راہ میں آگے قدم نہیں بڑھا سکتے۔

ایک اور پہلو سے جب ہم عجز کے مضمون پر نظر ڈالتے ہیں تو اس کی برعکس صورت کو دیکھ کر عجز کا مضمون ظاہر ہونا شروع ہو جاتا ہے۔ اور وہ ہے تکبر۔ تکبر عجز کا بالکل برعکس ہے اور تکبر ایک ایسی چیز ہے جو انسان اور خدا کے درمیان ایک مکمل جدائی پیدا کرنے والا مضمون ہے۔ کیونکہ تکبر ایک ایسی چیز ہے جو خدا کے سوا کسی کو زیب ہی نہیں دیتا۔ یہ وہ صفت ہے جس میں خدا کا کوئی نبی شریک نہیں

ہے۔ صرف خدا ہے جس کے متعلق جس کی صفات میں لفظ متکبر آتا ہے اور بڑی شوکت والی صفت ہے۔ بڑا ہی رعب پیدا ہوتا ہے انسان پر جب انسان خدا کی صفت متکبر پر غور کرتا ہے۔ اس کے سوا کسی بندے میں نہ تکبر کرنے کی استطاعت ہے، نہ تکبر کرنے کی طاقت ہے نہ اسے زیب دیتا ہے نہ اسے اجازت ہے اس لئے خدا کے انبیاء بھی جبکہ خدا کی دوسری صفات میں شریک ہو جایا کرتے ہیں۔ شریک ان معنوں میں کہ اس سے حصہ پاتے ہیں ویسے تو نعوذ باللہ شرک کا دوسرا مضمون ان پر صادق نہیں آتا لیکن کسی نہ کسی رنگ میں خدا تعالیٰ کی صفت میں رنگین ہو جانے کا انسان میں ملکہ حاصل ہے اور اسے طاقت ودیعت کی گئی ہے لیکن تکبر کے لحاظ سے نہیں۔ پس تکبر اگر کسی جگہ ہے تو وہ خدا کے اور بندے کے درمیان ایک ایسا فاصلہ پیدا کر دیتا ہے کہ اس کے نتیجے میں متکبر خدا سے مل ہی نہیں سکتا۔ چنانچہ حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس مضمون کو اپنے رنگ میں یوں بیان فرمایا کہ

> دولت مندوں کا خدا کی بادشاہی میں داخل ہونا کیسا مشکل ہے کیونکہ اونٹ کا سوئی کے ناکے میں نکل جانا اس سے آسان ہے کہ دولت مند خدا کی بادشاہی میں داخل ہو۔ (لوقا: باب ۱۸۔ آیات ۲۴۔۲۵)

اس زمانے میں غالباً دولت مند ہی زیادہ متکبر ہوا کرتے تھے اس لئے اے دولت مندو! کہہ کر دراصل متکبر کا مضمون باندھا گیا ہے لیکن قرآن کریم نے اس مضمون کو نہایت زیادہ کمال کے ساتھ اور بہت ہی حسین انداز میں بیان فرمایا ہے اور اس مضمون کو جو حضرت مسیح علیہ السلام کے قول کی صورت میں ابتدائی دکھائی دیتا ہے اسے مکمل کر دیا ہے یعنی قرآن کریم کے بیان میں یہ مضمون اپنے ختم کو پہنچ گیا ہے اس سے بڑھ کر یہ مضمون بیان نہیں ہوسکتا فرمایا:

إِنَّ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا وَاسْتَكْبَرُوا عَنْهَا لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ أَبْوَابُ السَّمَاءِ وَلَا يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ حَتَّىٰ يَلِجَ الْجَمَلُ فِي سَمِّ الْخِيَاطِ ۚ

(الاعراف: ۴۱)

(خیاط ہے لفظ، جب میں پڑھتا ہوں تو بعض دفعہ لوگوں کو شبہ پڑتا ہے کہ فتح کے ساتھ پڑھا ہے۔ لیکن وہ فرق پڑھنے کی بجائے طرز میں ہے۔ بعض دفعہ بعد میں بھی لوگ پوچھتے ہیں تو یہ میں ان کو سمجھانے کے لئے بتا رہا ہوں) وَكَذَٰلِكَ نَجْزِي الْمُجْرِمِينَ یقیناً وہ لوگ جنہوں نے

ہمارے نشانات کو جھٹلایا۔ وَاسْتَكْبَرُوْا عَنْهَا اور ان سے تکبر اختیار کیا۔ لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ اَبْوَابُ السَّمَآءِ ان کے لئے آسمان کے دروازے نہیں کھولے جائیں گے۔ وَلَا يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ اور وہ جنت میں داخل نہیں ہوں گے۔ حَتّٰى يَلِجَ الْجَمَلُ فِيْ سَمِّ الْخِيَاطِ یہاں تک کہ اونٹ سوئی کے ناکے میں داخل ہو جائے۔

اب دیکھیں ان دونوں عبارتوں میں کتنا فرق ہے۔ اول تو محض دولت مند کا بیان نہیں فرمایا گیا بلکہ ہر قسم کی تکذیب کرنے والے کو متکبر فرمایا گیا۔ امر واقعہ یہ ہے کہ خدا کے نشانات بے شمار ہیں۔ یہاں صرف انبیاء کی تکذیب مراد نہیں ہے بلکہ ساری کائنات میں اللہ تعالیٰ کی آیات پھیلی پڑی ہیں اور **متکبر ہر آیت کی تکذیب کرتا چلا جاتا ہے۔** وہ دیکھتا ہے، استفادہ کرتا ہے۔ خدا کی آیات میں دن رات ڈوبا ہوا ہے۔ ان آیات کے سہارے زندہ ہے، ہر سانس ان آیات کا محتاج ہے۔ زندگی کا ہر لمحہ ان آیات کے سہارے چل رہا ہے اور ایسا غافل ہے اور ایسا بے وقوف اور اندھا ہے کہ اس کے باوجود ان سے تکبر کی راہ اختیار کرتا ہے۔ سمجھتا ہے کہ میری ادنیٰ غلام ہیں میں جس طرح چاہوں ان سے سلوک کروں اور کوئی مالک نہیں ہے جس کے سامنے میں اپنے اس استفادے کے لحاظ سے جوابدہ ہوں۔ یہ چیزیں ہیں جو میرے فائدہ کی خاطر اس طرح بنائی گئی ہیں جیسے میں مالک ہوں اور یہ چیزیں میرے لئے بنائی جانی خدا پر فرض تھیں۔ یہ رجحان ہے جو متکبر کے دل میں پیدا ہو جاتا ہے۔ پس جہاں اس کا فضل اپنا ہاتھ کھینچ لے وہیں ایسا شخص اچانک ننگا ہو جاتا ہے یعنی اس کا رجحان بالکل کھل کر سامنے آجاتا ہے۔ وہ کہتا ہے ہیں، ہیں! یہ خدا ہوتا کون ہے میرے ساتھ یہ سلوک کرنے والا۔ اتنی دنیا پڑی ہوئی ہے۔ فلاں ٹھیک ہے فلاں ٹھیک ہے۔ مجھے ہی بیمار ہونا تھا۔ میرے بچوں پر ہی مصیبت ٹوٹنی تھی اور وہ یہ نہیں سوچتا کہ اس کی ساری زندگی، اس کے وجود کا ایک ایک ذرہ، اس کی یہ طاقت کہ خدا پر باتیں کرتا ہے۔ یہ بھی خدا کی آیات میں لپٹی ہوئی ایک داستان ہے جو انہی کے ذریعے چل رہی ہے۔ اس داستان کا اپنا کوئی وجود نہیں۔ آیات کے ذریعے ہی یہ داستان دکھائی دیتی ہے گویا ہے لیکن حقیقت میں صرف آیات ہی ہیں۔ پس آیات باری تعالیٰ سے روگردانی کرنا اور اس سے منہ موڑ لینا یہ ایک ایسا گناہ ہے جس کے متعلق قرآن کریم سے پتا چلتا ہے کہ یہ بخشش کے لائق نہیں اور یہی حقیقت میں تکبر کو پیدا کرنے والا گناہ ہے جس سے پھر تکبر پیدا ہوتا ہے اور بالآخر انسان بخشش سے محروم رہ جاتا ہے۔

قرآن کریم نے ایسے لوگوں کا حال بیان فرمایا کہ جب ہم ان پہ نعمتیں نازل کرتے ہیں تو وہ کہتے ہیں۔ رَبِّیْٓ اَکْرَمَنِ (الفجر:۱۶) کہ دیکھو میرے رب نے میری عزت افزائی کی ہے۔ رَبِّیْٓ اَکْرَمَنِ کہ میرے رب نے دیکھو میری عزت کی ہے اور جب ہم نعمتیں چھینتے ہیں تو کہتا ہے۔ رَبِّیْٓ اَھَانَنِ (الفجر:۱۷) خدا نے میری توہین کر دی ہے۔ یعنی خدا کون ہوتا تھا مجھے ذلت دینے والا اور رسوا کرنے والا۔ اس نے یہ نعمتیں مجھ سے واپس لے کر یا مجھ پر ان کی راہیں بند کر کے میری توہین کی ہے۔ پس وہ لوگ جو کائنات کو غفلت کی نظر سے دیکھتے ہیں اور اپنے وجود کو بھی غفلت کی نظر سے دیکھتے ہیں ان کو یہ آیات دکھائی نہیں دیتیں اور ان کے اندر پھر تکبر پیدا ہونا شروع ہو جاتا ہے۔ فرمایا وَاسْتَکْبَرُوْا پس آغاز شروع کیا، آیات سے غفلت کے ذکر سے، اس کے نتیجے میں جو بیماری طبعاً پیدا ہوتی ہے پھر اس مضمون کو بیان فرمایا: وَاسْتَکْبَرُوْا عَنْھَا پھر فرمایا لَا تُفَتَّحُ لَھُمْ اَبْوَابُ السَّمَآءِ یہ نہیں کہا کہ جنت میں داخل نہیں ہوں گے۔ فرمایا ان پر رفعتوں کا کوئی دروازہ بھی کھولا نہیں جائے گا۔ کتنا عظیم الشان اور کتنا کامل مضمون ہے یعنی وہ لوگ جو خدا کے سامنے بڑے بنتے ہیں اور اونچے ہوتے ہیں ان پر رفعتوں کا کوئی دروازہ نہیں کھولا جائے گا۔ وہی ہیں جو سب سے زیادہ ذلیل اور سب سے زیادہ گرے ہوئے لوگ ہیں۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ نے قرآن کے اس مضمون کے مطابق اس کا برعکس نقشہ یوں کھینچا کہ خدا کے وہ بندے جو تواضع کرتے ہیں ان کے متعلق اللہ تعالیٰ کی خبر یہ ہے (اس حدیث کے الفاظ تو عربی میں ہیں مجھے اس وقت یاد نہیں یعنی یاد تھے لیکن اس وقت ذہن سے گزر گئے ہیں) کہ خدا کے وہ بندے جو خدا کے حضور تواضع کرتے ہیں اللہ تعالیٰ انہیں ساتویں آسمان پر اٹھا کر لے جاتا ہے۔ اِلیٰ السَّمَآء اور زنجیر سے لپیٹ کر گویا کہ ان کو آسمان کی بلندیوں پر نہیں بلکہ ساتویں آسمان کی بلندیوں تک پہنچا یا جاتا ہے۔ پس قرآن کریم نے فرمایا۔ وَاسْتَکْبَرُوْا عَنْھَا لَا تُفَتَّحُ لَھُمْ اَبْوَابُ السَّمَآءِ جو تکبر کرتا ہے اس پر رفعتوں کے دروازے نہیں کھولے جاتے۔ یہ الفاظ ہیں اذا تواضع العبد رفعہ اللہ الی السمآء السابع (کنز العمال صفحہ:۲/۲۵) کہ جب بھی خدا کا کوئی بندہ تواضع کرتا ہے یعنی جھکتا ہے گرتا ہے۔ اس کے حضور عاجزی اختیار کرتا ہے۔ رفعہ اللّٰہ الی السمآء السابع اس کو خدا ساتویں آسمان کی بلندی تک اٹھا لے جاتا ہے۔

تو ہر بلندی کے لئے ایک عجز کا مقام ہے۔ اس بات کو آپ اچھی طرح یاد رکھیں۔ یعنی یہاں بلندی سے مراد یہ ظاہری بلندیاں نہیں ہیں۔ ہر انسان کے لئے اس کی خلقت میں کچھ بلندی پانے کی استطاعت موجود ہے اور ہر انسان کا آسمان الگ الگ آسمان ہے۔ تبھی خدا تعالیٰ نے مختلف نبیوں کو معراج کی رات آنحضرت ﷺ کو مختلف آسمانوں پر دکھایا ہے ان سے خدا نے کوئی ناانصافی نہیں فرمائی۔ ہر شخص کی بلندی کی ایک استطاعت ہے اور اس بلندی تک وہ بلند ہوسکتا ہے۔ چنانچہ مصلح موعودؓ کی پیشگوئی میں اس مضمون کو یوں بیان فرمایا گیا کہ وہ اپنے نفسی نقطہ آسمان کی طرف اٹھایا جائے گا۔ یعنی خدا تعالیٰ نے اس کو جتنی صلاحیتیں بخشی ہیں اس کا وہ آخری نقطہ جو آسمان پر مقدر ہے وہاں تک رسائی پا جائے گا یعنی وہ اپنی قوتوں کو ضائع نہیں کرے گا اور اپنی صلاحیتوں سے بھرپور فائدہ اٹھائے گا۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اس کو توفیق بخشے گا کہ جو رفعتیں اس کے لئے مقدر تھیں وہ ان کو حاصل کر لے گا۔

پس اس آیت نے ہمیں سمجھایا کہ عجز کے ذریعے بلندیاں حاصل ہوتی ہیں اور یہاں رفعت سے مراد صفات باری تعالیٰ ہیں کیونکہ حقیقت میں ظاہری آسمان کی طرف اٹھایا جانا کوئی حقیقت نہیں رکھتا۔ یہاں ہرگز ظاہری آسمان مراد نہیں، نہ کبھی آج تک ہم نے دیکھا ہے کہ زنجیروں سے باندھ کر خدا نے کسی سجدہ کرنے والے کو سجدہ کی حالت سے اٹھا کر کسی اوپر نظر آنے والے جسم میں پہنچا دیا ہو۔ پس یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ آنحضور ﷺ خبر دیں اور واقعہ نہ ہو، لیکن یہ واقعہ ہر روز گزرتا ہے۔ ہزاروں لاکھوں بندگان خدا ایسے ہیں جو سجدوں کی حالت میں اٹھائے جاتے ہیں اور ضروری نہیں کہ وہ سجدہ ظاہری سجدہ ہو۔ ان کے دلوں پر زندگی میں ایسی کیفیتیں طاری ہوتی ہیں جو اچانک ان پر ان کے عجز کا ایک مقام روشن کرتی ہیں اور اس Flash میں اس ایسے لمحے میں جس کو ظاہری وقت سے ناپا ہی نہیں جا سکتا، اچانک ان کو اپنا عجز کا ایک مقام دکھائی دیتا ہے اور دل سے خدا تعالیٰ کی ایسی تکبیر بلند ہوتی ہے کہ اس کے نتیجے میں انہیں رفعتوں کے ایک آسمان کی طرف بلندی نصیب ہوتی ہے۔ پس آخری درجہ ساتویں آسمان تک کا عام بندوں کا درجہ ہے۔ لیکن آنحضرت ﷺ کو ان کے علاوہ رفعت کا ایک اور مقام عطا ہوا۔ جو ان آسمانوں کے بعد کا مقام تھا اور وہ ظاہر کرتا ہے کہ حضور اکرم ﷺ خدا کے سب عاجز بندوں سے زیادہ عجز کرنے والے تھے۔ اس لئے عجز والے کو بلندی عطا ہوتی ہے اور

سچی بلندی حاصل کرنے والے کو عجز نصیب ہوتا ہے۔

یہ دو مضمون آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ بندھے ہوئے ہیں اور یہی لقاء کا مضمون ہے کیونکہ قرآن کریم میں جس معراج کا ذکر ہے وہ لقاء کا معراج ہے۔ کسی ظاہری آسمانوں کا سفر تو نہیں ہے جس طرح بعض علماء بے چارے اپنی ناسمجھی میں اور بصیرت کی کمی کی وجہ سے سمجھ بیٹھے ہیں کہ نعوذ باللہ کوئی ظاہری گھوڑا اترا اور اس کے اوپر آنحضرت ﷺ سوار ہوئے اور پھر وہ اُڑنا شروع ہوا پروں کے ساتھ، یہاں تک کہ ایک ایک آسمان کو پیچھے چھوڑتا چلا گیا یہ بچگانہ تصور ہے۔ اصل میں آنحضرت ﷺ کو خدا نے یہ پیغام دیا تھا کہ تو عجز کے ایک ایسے مقام تک پہنچ گیا ہے جس میں بنی نوع انسان میں کوئی تیرا شریک نہیں رہا۔ ان معنوں میں خدا کی توحید کا ایک پرتو آنحضرت ﷺ پر پڑا جو کسی اور انسان پر، کسی اور نبی پر نہیں پڑا۔ ایک رنگ میں آپؐ بھی واحد ہو گئے اور یکتا ہو گئے۔ کبھی کوئی انسان خدا کے حضور ایسا عاجز نہیں ہوا تھا جیسے آنحضرت ﷺ خدا کے حضور تواضع اختیار فرما گئے اور اس کے نتیجے میں تمام مخلوق تو اپنی بلندیوں کے باوجود ساتویں آسمان سے اوپر نہیں جا سکی لیکن آنحضرت ﷺ کا مقام اس سے بھی بلند تر ہوا اور اس کا تعلق عجز سے ہے کیونکہ آنحضور ﷺ نے خود فرما دیا ہے کہ رفعتیں یعنی آسمان کی طرف بلندیاں کیسے نصیب ہوا کرتی ہیں۔

اسی آیت میں پھر فرمایا لَا يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ حَتّٰى يَلِجَ الْجَمَلُ فِيْ سَمِّ الْخِيَاطِ نہیں کہا کہ اونٹ کا نا کے میں داخل ہونا اس سے زیادہ آسان ہے کہ دولت مند جنت میں داخل ہو۔ یہ مضمون جو ہے یہ ایک قسم کا محال مضمون ہے، ناممکن دکھانے والا مضمون ہے مگر قرآن کریم نے جو بیان فرمایا ہے اس میں بندے کے لئے مایوسی کی دیوار کھڑی نہیں کی۔ یہاں یہ فرمایا ہے۔ یہاں تک کہ اونٹ داخل ہو جائے یہ مضمون فرمایا ہے اور تکبر کا اونٹ کم بھی ہو سکتا ہے، اس کا جسم چھوٹا بھی ہو سکتا ہے، اس کی کجیاں دور بھی ہو سکتی ہیں۔ اونٹ کی مثال بڑی خوبصورت مثال ہے۔ حضرت مسیح علیہ اسلام کو بھی یہ مثال دی گئی اور آنحضرت ﷺ کو بھی یہی مثال سکھائی گئی لیکن طرز میں کتنا فرق ہے۔ حضرت مسیح علیہ السلام نے فرمایا کہ یہ زیادہ ناممکن ہے کہ دولت مند خدا کی جنت میں داخل ہو بنسبت اس کے کہ اونٹ سوئی کے نا کے میں داخل ہو جائے یا اس میں سے گزر جائے۔ قرآن کریم فرماتا ہے کہ نہیں، جب تک اونٹ اس قابل نہیں ہو جاتا کہ سوئی کے نا کے سے گزر نہ جائے اس وقت

تک جنت کا راستہ بند ہے اور ہاتھی کی بجائے اونٹ کی مثال اس لئے دی گئی ہے ورنہ ہاتھی زیادہ بڑا جانور ہے، قرآن کریم میں ہاتھی کا ذکر بھی موجود ہے، اونٹ میں ایک ٹیڑھا پن بھی ہے اسی لئے تکبر میں جو کجی پائی جاتی ہے اس کی مثال اونٹ سے بہتر نہیں دی جاسکتی تھی۔ صرف بڑا ہی نہیں ہوتا بلکہ اس کے اندر ایک ٹیڑھا پن بھی پایا جاتا ہے۔ پس قرآن کریم سے پتا چلتا ہے کہ جب تک کوئی انسان اپنے آپ کو بڑا سمجھ رہا ہے اور ساتھ ٹیڑھا بھی ہے اور یہ دونوں چیزیں تکبر میں اکٹھی چلتی ہیں، اس وقت تک اس کے لئے کوئی نجات نہیں ہے لیکن یہ فرمایا کہ یہ ممکن ہے کہ تمہارے تکبر دور ہو جائیں، یہ ممکن ہے کہ تمہاری کجیاں درست ہو جائیں اور تم سیدھے ہو جاؤ۔ اس لئے مایوسی کا پیغام نہیں ہے بلکہ امید کا پیغام ہے، مشکل کام ہے۔ تمہیں بہت محنت کرنی پڑے گی اِنَّكَ كَادِحٌ اِلٰى رَبِّكَ بہت مشقت کی راہ اختیار کرنی پڑے گی لیکن اگر کرو گے تو فَمُلٰقِيْهِ اے انسان! تجھے یہ پیغام ہے کہ تو ضرور خدا کو پالے گا۔ جنت تجھ پر حرام نہیں ہوئی ہے مگر جنت کی راہ بتائی جارہی ہے کہ وہ کیسی مشکل راہ ہے۔ اپنے نفس کے تکبر کو توڑو۔ اس کی کجیوں کو درست کرو پھر تم ضرور اس راہ پر چل پڑو گے جو حضرت محمد مصطفی ﷺ کی راہ ہے اور پھر تمہیں حقیقی بلندی نصیب ہوگی۔

قرآن کریم میں آسمان کے مضمون کے ساتھ ایک اونٹ کا مضمون بھی باندھا گیا ہے۔ چنانچہ دوسری رکعت میں جو سورۃ ہم تلاوت کرتے ہیں اس میں یہ مضمون اکٹھا آیا ہے۔ اس کے متعلق ایک دفعہ میں نے خطبے میں کچھ روشنی ڈالی تھی لیکن قرآن کریم کی آیات تو لامتناہی ہیں۔ اب جو میں مضمون بیان کر رہا ہوں اس کا بھی اس کے ساتھ ایک تعلق ہے۔ آسمان کی بلندی اونٹوں کو حاصل نہیں ہوا کرتی تمہیں غور کرنا چاہئے۔ آسمان کی بلندی خدا کے عاجز بندوں کو حاصل ہوا کرتی ہے۔ پس رفعتیں حاصل کرنی ہیں تو اونٹوں پر بیٹھ کر تمہیں رفعتیں نہیں ملیں گی۔ تم یہ نہ سمجھنا کہ دنیا کی ان سواریوں کے مالک ہو جاؤ۔ بلند سواریوں پر دوڑنے لگو تو تم بہت ہی عظیم الشان وجود بن جاؤ گے بلکہ حقیقی رفعتیں عجز سے حاصل ہوتی ہیں۔ اونٹ کے متعلق دوسری جگہ جو فرما دیا کہ وہ داخل ہی نہیں ہو سکتا تو اونٹ پر بیٹھا ہوا کہاں سے داخل ہو جائے گا۔ یہ مضمون ہے جس میں غور کی طرف وہاں دعوت دی گئی ہے کہ اونٹ ہے تو بڑا اونچا جانور، اچھا بھلا تیز دوڑ بھی لیتا ہے، لیکن ٹیڑھا ہے اور تم اگر اونٹ کی راہ اختیار کرو گے تو تم متکبر بن جاؤ گے۔ پس فرمایا: لَا يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ حَتّٰى يَلِجَ الْجَمَلُ فِيْ سَمِّ الْخِيَاطِ

اس وقت تک ایسا شخص داخل نہیں ہوسکتا جب تک چھوٹا نہ ہو جائے اور اپنے نفس کے اونٹ کو وہ اور مختصر اور مختصر کرتا نہ چلا جائے یہاں تک کہ وہ ہلاکت کے مقام تک پہنچ جائے۔ اگر ایسا نہیں کرو گے تو فرمایا كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُجْرِمِيْنَ پھر ہم اس طرح مجرموں کو سزا دیا کرتے ہیں کہ ان کی ترقی کی راہیں تنگ کر دیتے ہیں۔ یہ بھی بہت ہی خوبصورت مثال ہے۔ ایک انسان بعض دفعہ جاتے جاتے دیکھتا ہے کہ راستہ تنگ ہوتا چلا گیا ہے۔ یہاں تک کہ وہ ایک ایسا سوراخ بن گیا ہے کہ اس میں سے وہ داخل ہو ہی نہیں سکتا۔

بعض لوگ مجھے ایسی خوابیں لکھتے ہیں اور وہ لکھتے ہیں کہ اس سے دل پر بہت ہی دہشت طاری ہوتی ہے۔ ایک انسان آگے بڑھنا چاہتا ہے لیکن راستہ تنگ ہوتے ہوتے اتنا چھوٹا ہو جاتا ہے کہ آدمی بے اختیار ہو جاتا ہے۔ کوشش کرتا ہے آگے بڑھنے کی لیکن پھنس جاتا ہے۔ پس آگے بڑھنے کی راہ میں جو روکیں ہیں وہ اپنے نفس کے تکبر کی روکیں ہیں ورنہ خدا کی راہیں کشادہ ہیں۔ جب ان راہوں سے بڑا بن کر انسان وہاں سے گزرنے کی کوشش کرتا ہے تو نہیں گزر سکتا۔ پس رویا میں ایسے لوگوں کو درحقیقت یہ پیغام ہوتا ہے کہ تمہارے اندر ابھی ترقی کی گنجائشیں تو موجود ہیں لیکن تم نے اپنے نفس کو چھوٹا نہیں کیا۔ اپنے نفس کو خدا کے حضور اور چھوٹا کرو۔ جب چھوٹا کرو گے تو ان باریک راہوں سے بھی تم بڑی آسانی سے گزر جاؤ گے۔

آج کل سائنس کی ایسی فلمیں تیار کی جاتی ہیں جو اس قسم کے نظر کے دھوکے ہیں لیکن ان دھوکوں کے نتیجے میں انسان دھوکہ نہیں کھاتا بلکہ ہدایت کی راہ پا جاتا ہے۔ چنانچہ چھوٹے چھوٹے باریک جراثیم جو جسم کے خلیوں میں داخل ہوتے ہیں ان کے متعلق خواہ کسی طرح بھی وہ بیان کریں حقیقت میں ایک طالب علم کو پورا مضمون سمجھ نہیں آسکتا۔ تو سائنس کے ذریعے انہوں نے ایسے نظر کے دھوکے بنا لئے ہیں کہ ایک آدمی جو سمجھا رہا ہے کہ اندر کیا ہے، وہ اتنا چھوٹا دکھائی دیتا ہے کہ اس کے مقابل پر خلیے لگتا ہے کہ ایک بہت بڑا ہال ہے اور پھر وہ خلیے ان باریک نالیوں کے ذریعے اترتا ہے جو بڑی مشکل سے دکھائی دیتی ہیں اور وہ چھوٹا سا آدمی اس میں جا کر پھر وہ چاروں طرف پھر رہا ہے وہ اندر چیزیں دیکھ رہا ہے۔ وہ بچوں کو دکھا رہا ہے کہ دیکھو! میں اس وقت فلاں جگہ پہنچ گیا ہوں۔ یہاں نیوکلیس کی یہ شکل ہے۔ یہ خلیے کے پردے اور نیوکلیس کے درمیان کا پانی ہے یہاں

اس قسم کی Pigments ہیں۔ یہ ہے وہ ہے۔ اور وہ ایسا مزیدار نظارہ ہوتا ہے کہ وہ بچے کے دل پر ہمیشہ کے لئے نقش ہو جاتا ہے یا طالب علم کے ذہن پر ہمیشہ کے لئے نقش ہو جاتا ہے **تو حقیقت میں انسان چھوٹا ہو جائے تو راہیں کشادہ ہو جاتی ہیں۔ اور خدا کی راہ میں چھوٹا ہونا ضروری ہے کیونکہ خدا کی راہ پہ آپ نے چلنا ہے اور وہاں بڑے بن کے نہیں چلا جا سکتا۔**

اور اس پہلو سے بہت سے اور ایسے زاویے ہیں جن کو آپ کے سامنے رکھنا ضروری ہے۔ تکبر کے متعلق حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بعض بہت ہی پیاری نصیحتیں فرمائی ہیں، وہ بھی آپ کے سامنے رکھنی ضروری ہیں لیکن چونکہ اب ایک گھنٹہ کے قریب وقت ہو گیا ہے۔ اس لئے باقی باتیں انشاء اللہ آئندہ جمعہ میں بیان کروں گا۔

یہ وہ جمعہ ہے جس کا خطبہ اس وقت فرینکفرٹ اور میونخ میں بھی سنا جا رہا ہے۔ اب خدا تعالیٰ نے دیکھیں نئے نئے ایسے آلات مہیا فرما دیئے ہیں، نئے نئے سائنس کے انکشافات ایسے ہو چکے ہیں جن کے نتیجے میں انسانی آواز کی پہنچ کہاں سے کہاں پہنچ گئی ہے۔ پس وہ بھی ہمارے شریک ہیں اور اللہ تعالیٰ ان منتظمین کو جزاء دے جن کی کوششوں کے ذریعے یہ آواز براہ راست دوسرے ملکوں کے لوگ سن سکتے ہیں اور ان لوگوں کو بھی ہدایت دے جن کی کاوش فکر کے نتیجے میں ایسی ایسی چیزیں ایجاد ہوئیں۔ احسان مند ہونے کا ایک یہ بھی طریق ہے۔ پس رمضان المبارک میں جب آپ دعائیں کریں تو اپنے ہر محسن کے لئے دعا کیا کریں۔ مجھے ایک بچی کی بات بہت ہی پیاری لگتی ہے۔ وہ چوہدری شاہنواز صاحب مرحوم کی نواسی ہے۔ وہ چھوٹی سی تھی تو اسے ماں باپ نے سمجھایا کہ بیٹا دعائیں کرو۔ رمضان ہے یا کسی موقعہ پر کہا ہوگا۔ بہت دعائیں کیا کرو۔ تو ایک دن اس سے پوچھا کہ تم نے کیا کیا دعائیں کیں۔ بتاؤ تو سہی! اس نے کہا۔ میں نے جو دعائیں کیں امی کے لئے، نانی کے لئے، نانا کے لئے، ابا کے لئے، فلاں کے لئے، فلاں کے لئے۔ اس کے علاوہ میں نے اس کے لئے بھی دعا کی جس نے آئس کریم ایجاد کی تھی انہوں نے کہا ہیں؟ اس کے لئے کیوں دعا کی؟ اس نے کہا۔ دیکھو اس نے بچوں کا دل خوش کر دیا۔ اب یہ بات تو بچگانہ ہے لیکن عارفانہ بھی ہے۔ ہم لوگ جب بندوں کا احسان نہیں دیکھ سکتے تو خدا کا احسان بھی نہیں دیکھ سکتے۔ اس بات کو آنحضرت ﷺ نے بیان فرمایا: **من لم یشکر الناس لا یشکر اللّٰہ** (ترمذی کتاب البر والصلہ حدیث نمبر: ۱۸۷۷) پس خدا کے عرفان کی

باتیں تو ہم کر رہے ہیں۔ اگر بندے کا ہی عرفان نہ ہو تو خدا کا بھی نہیں ہوگا۔ تو ہر محسن کے احسان پر نظر رکھتے ہوئے اس کے لئے دل میں جذبہ تشکر رکھیں اور اگر براہ راست کچھ نہیں کر سکتے تو دعا کیا کریں۔ اپنی دعاؤں کے ذریعے آپ احسان کا بدلہ اس رنگ میں اتار سکتے ہیں کہ ظاہری طور پر جو بدلے اتارے جاتے ہیں اس سے بہت بڑھ کر ایسے شخص کو جزاء پہنچ جاتی ہے اور اس طرح ہر راہ میں آپ کو، بندوں کی راہ میں بھی اور دوسری راہوں میں بھی آفاقی طور پر بھی اور اندرونی طور پر بھی ہر مطالعے میں خدا دکھائی دینے لگے گا۔